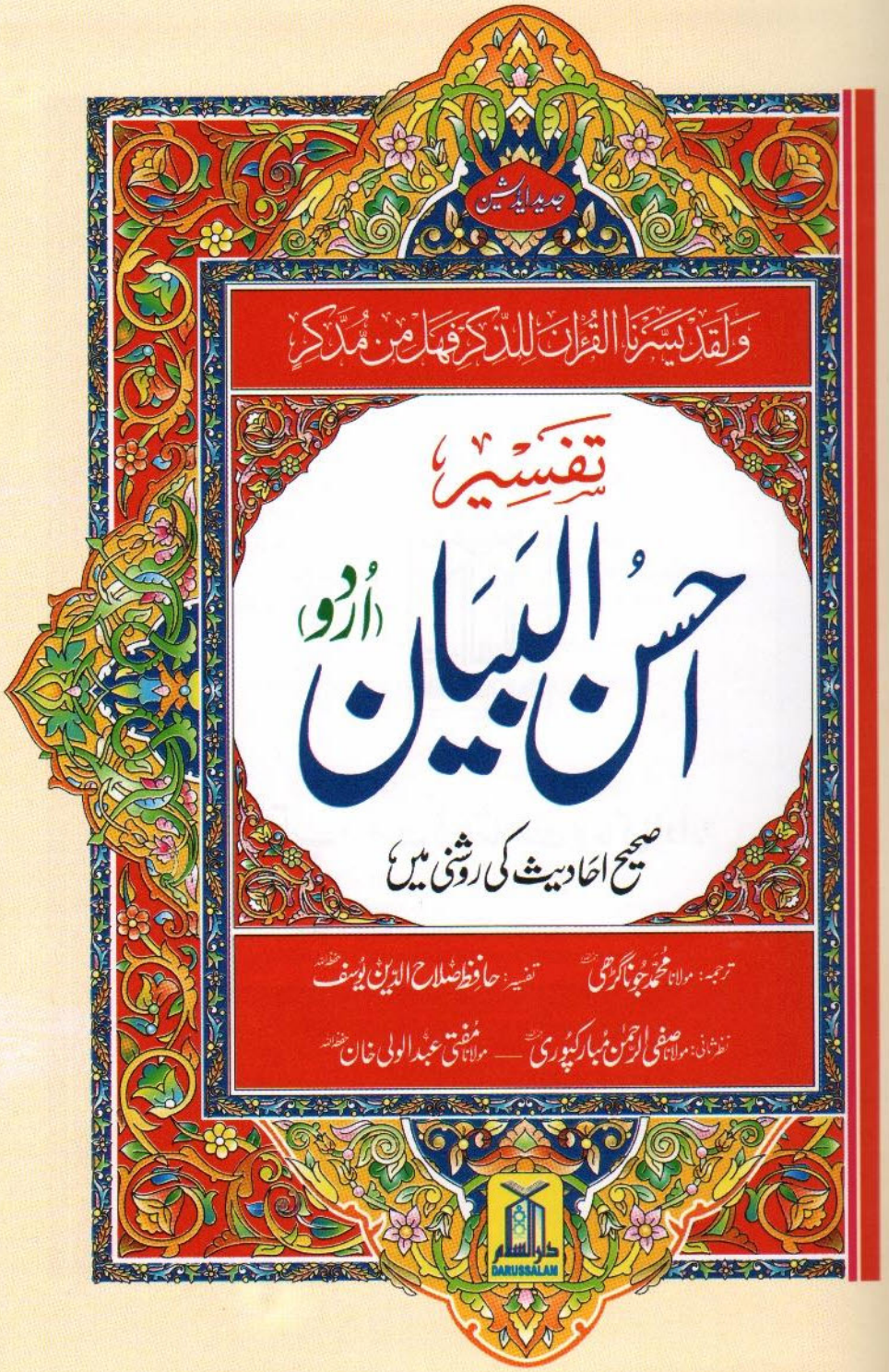

جدید ایڈیشن

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

تفسیر احسن البیان (اردو)

صحیح احادیث کی روشنی میں

ترجمہ: مولانا محمد جونا گڑھی رحمہ اللہ — تفسیر: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

نظر ثانی: مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ — مولانا مفتی عبد الولی خان حفظہ اللہ

دارالسلام
DARUSSALAM

اٰیَاتُهَا 7 (1) سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ (5) رُكُوْعُهَا 1

سورۂ فاتحہ [1] مکی ہے [2] اس میں 7 آیات، [3] 1 رکوع ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ | شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔ [4]

---

1 سورۂ فاتحہ قرآن مجید کی سب سے پہلی سورت ہے، جس کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ فاتحہ کے معنی آغاز اور ابتدا کے ہیں، اس لیے اسے اَلْفَاتِحَة ، یعنی فَاتِحَةُ الْكِتَابِ کہا جاتا ہے۔ اس کے اور بھی متعدد نام احادیث سے ثابت ہیں، مثلاً: أُمُّ الْقُرْآنِ، اَلسَّبْعُ الْمَثَانِي، اَلْقُرْآنُ الْعَظِيم، الرُّقْيَةُ (دم) جس طرح ایک صحابی نے ایک بچھو کے ڈسے ہوئے کو اس سے دم کیا تو اسے آرام آ گیا، نبی ﷺ نے فرمایا: ''تجھے کس طرح معلوم ہوا کہ یہ دم ہے؟'' (صحيح البخاري، حديث :2276، و صحيح مسلم، حديث:65-(2201)) وغيرها من الاسماء. اس کا ایک اہم نام ''الصلاۃ'' بھی ہے، جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: «قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَ بَيْنَ عَبْدِي......» (صحيح مسلم،حديث:38-(395)) ''میں نے صلاۃ (نماز) کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔'' مراد سورۂ فاتحہ ہے جس کا نصف حصہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کی رحمت و ربوبیت اور عدل و بادشاہت کے بیان میں ہے اور نصف حصے میں دعا و مناجات ہے جو بندہ اللہ کی بارگاہ میں کرتا ہے۔ اس حدیث میں سورۂ فاتحہ کو ''نماز'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں اس کا پڑھنا بہت ضروری ہے، چنانچہ نبی ﷺ کے ارشادات میں اس کی خوب وضاحت کر دی گئی ہے، فرمایا: «لَاصَلَاةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ» (صحيح البخاري، حديث: 756، و صحيح مسلم، حديث:34-(394)) ''اس شخص کی کوئی نماز نہیں جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی۔'' اس حدیث میں (مَنْ) کا لفظ عام ہے جو ہر نمازی کو شامل ہے۔ منفرد ہو یا امام، یا امام کے پیچھے مقتدی۔ سری نماز ہو یا جہری، فرض نماز ہو یا نفل۔ ہر نمازی کے لیے سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ اس عموم کی مزید تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نماز فجر میں بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی نبی ﷺ کے ساتھ قرآن کریم پڑھتے رہے جس کی وجہ سے آپ ﷺ پر قراءت بوجھل ہو گئی، نماز ختم ہونے کے بعد جب آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم بھی ساتھ پڑھتے رہے ہو؟ انھوں نے اثبات میں جواب دیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: «لَا تَفْعَلُوا إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِهَا» ''تم ایسا مت کیا کرو (مت پڑھا کرو) البتہ سورۂ فاتحہ ضرور پڑھا کرو کیونکہ اس کے پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔'' (سنن أبي داود، حديث : 823، وجامع الترمذي، حديث :311، و سنن النسائي، حديث :921.) اسی طرح حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «مَنْ صَلّٰى صَلَاةً لَّمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ ثَلَاثًا غَيْرُ تَمَامٍ» ''جس نے بغیر فاتحہ کے نماز پڑھی وہ ناقص ہے مکمل نہیں۔ تین مرتبہ نبی ﷺ نے فرمایا۔'' ابوہریرہ ؓ سے عرض کیا گیا: «إِنَّا نَكُونُ وَرَاءَ الْإِمَامِ» ''امام کے پیچھے بھی ہم نماز پڑھتے ہیں، اس وقت کیا کریں؟'' حضرت ابوہریرہ ؓ

نے فرمایا: «اِقْرَأْ بِهَا فِي نَفْسِكَ» ''امام کے پیچھے تم سورۂ فاتحہ اپنے جی میں پڑھو۔'' (صحيح مسلم، حديث : 38-(395).) مذکورہ دونوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ قرآن مجید میں جو آتا ہے: ﴿ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا ﴾(الأعراف7:204) ''جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سنو اور خاموش رہو۔'' یا حدیث «وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا» (بشرط صحت) ''جب امام قراءت کرے تو خاموش رہو۔'' کا مطلب یہ ہے کہ جہری نمازوں میں مقتدی سورۂ فاتحہ کے علاوہ باقی قراءت خاموشی سے سنیں۔ امام کے ساتھ قرآن نہ پڑھیں۔ یا امام سورۂ فاتحہ کی آیات وقفوں کے ساتھ پڑھے جو مسنون بھی ہے اور مقتدی ان وقفوں میں سورۂ فاتحہ پڑھے یا مقتدی سورۂ فاتحہ امام کی اس خاموشی (سکتے) میں پڑھے جو وہ سورۂ فاتحہ پڑھنے سے پہلے کرتا ہے یا قراءت کے اختتام پر۔ (صحیح روایات سے قراءت کے بعد سکتہ ثابت ہے۔) اس طرح آیت قرآن اور احادیث صحیحہ میں الحمد للہ کوئی تعارض نہیں رہتا۔ دونوں پر عمل ہو جاتا ہے۔ جب کہ سورۂ فاتحہ کی ممانعت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خاکم بدہن قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں ٹکراؤ ہے اور دونوں میں سے کسی ایک پر ہی عمل ہو سکتا ہے، بیک وقت دونوں پر عمل ممکن نہیں۔ فَنَعُوذُ بِاللهِ مِنْ هٰذَا (مزید دیکھیے سورۂ اعراف، آیت:204 کا حاشیہ۔)

2 یہ سورت مکی ہے۔ مکی یا مدنی کا مطلب یہ ہے کہ جو سورتیں ہجرت (13 نبوت) سے قبل نازل ہوئیں وہ مکی ہیں، خواہ ان کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا، یا اس کے اطراف و جوانب میں اور مدنی وہ سورتیں ہیں جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں، خواہ مدینہ یا اس کے اطراف میں نازل ہوئیں یا اس سے دور۔ حتیٰ کہ مکہ اور اس کے اطراف ہی میں کیوں نہ نازل ہوئی ہوں۔

3 بِسْمِ اللهِ کی بابت اختلاف ہے کہ آیا یہ ہر سورت کی مستقل آیت ہے، یا ہر سورت کی آیت کا حصہ ہے، یا یہ صرف سورۂ فاتحہ کی ایک آیت ہے یا یہ کسی بھی سورت کی مستقل آیت نہیں ہے، اسے صرف دوسری سورت سے ممتاز کرنے کے لیے ہر سورت کے آغاز میں لکھا جاتا ہے۔ قرائے مکہ و کوفہ نے اسے سورۂ فاتحہ سمیت ہر سورت کی آیت قرار دیا ہے جبکہ قرائے مدینہ، بصرہ و شام نے اسے کسی بھی سورت کی آیت تسلیم نہیں کیا ہے، سوائے سورۂ نمل کی آیت:30 کے، کہ اس میں بالاتفاق بسم اللہ اس کا جز ہے۔ محقق عصر شیخ احمد شاکر مصری ؒ نے اپنا خلاصۂ تحقیق اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ''قرآن میں جہاں بھی بسم اللہ لکھی ہوئی ہے، وہاں قرآنی آیت ہے، البتہ اس کا اس سورت کی آیت ہونا جس کے شروع میں وہ تحریر ہے یا اس کا مستقل آیت ہونا محل نظر و بحث ہے۔ میرے نزدیک راجح بات یہ ہے کہ سورۂ توبہ کے علاوہ یہ ہر سورت کی آیت ہے، اس لیے ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر سورت کے پڑھنے سے پہلے بِسْمِ اللهِ ضرور پڑھے، سوائے سورۂ توبہ کے۔ چاہے اسی سورت سے تلاوت کا آغاز کرے یا دوران تلاوت میں کوئی سورت آ جائے۔'' (حاشیه جامع الترمذي:22/2، تحت حديث :246. طبع مصر) اسی طرح جہری نمازوں میں اس کے اونچی آواز سے پڑھنے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض اونچی آواز سے پڑھنے کے قائل

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ①

سب تعریف اللہ کے لیے ہے [1] جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے ○ [2]

ہیں اور بعض سری آواز سے (فتح القدیر) اکثر علماء نے سری آواز سے پڑھنے کو راجح قرار دیا ہے۔ تاہم جہری آواز سے بھی پڑھنا جائز ہے۔

4 بِسْمِ اللهِ کے آغاز میں أَقْرَأُ، أَبْدَأُ یا أَتْلُو محذوف ہے، یعنی اللہ کے نام سے پڑھتا، یا شروع کرتا یا تلاوت کرتا ہوں۔ شریعت میں بہت سے اہم کاموں کے شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے، چنانچہ حکم دیا گیا ہے کہ کھانے، ذبح، وضو اور جماع سے پہلے بسم اللہ پڑھو۔ تاہم قرآن کریم کی تلاوت کے وقت بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے پہلے «أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ» پڑھنا بھی ضروری ہے۔ ﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾ (النحل 16:98) ''جب تم قرآن کریم پڑھنے لگو تو شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ مانگو۔''

1 ﴿اَلْحَمْدُ﴾ میں ال، استغراق کے لیے ہے، یعنی تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں کیونکہ تعریف کا اصل مستحق اور حق دار صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ کسی کے اندر کوئی خوبی، حسن یا کمال ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے، اس لیے حمد (تعریف) کا مستحق بھی وہی ہے۔ ﴿لِلّٰهِ﴾ میں لام اختصاص کے لیے ہے، یعنی تمام تعریفیں اللہ ہی کے ساتھ خاص ہیں۔ اللہ یہ اللہ کا ذاتی نام ہے، اس کا استعمال کسی اور کے لیے جائز نہیں۔ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ یہ کلمۂ شکر ہے جس کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ ایک حدیث میں لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ کو أَفْضَلُ الذِّكْرِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کو أفضل الدعاء کہا گیا ہے۔ (جامع الترمذي، حديث :3383.) صحیح مسلم اور سنن نسائی کی روایت میں ہے: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيْزَانَ» (صحيح مسلم، حديث :1-(223)) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ میزان کو بھر دیتا ہے۔'' اسی لیے ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ اللہ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ ہر کھانے پر اور پینے پر بندہ اللہ کی حمد کرے۔ (صحيح مسلم، حديث :89-(2734).)

2 ﴿رَبِّ﴾ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے، جس کے معنی ہیں ہر چیز کو پیدا کر کے اس کی ضروریات مہیا کرنے اور اس کو تکمیل تک پہنچانے والا۔ اس کا استعمال بغیر اضافت کے اللہ کے سوا کسی اور کے لیے جائز نہیں۔ ﴿الْعٰلَمِيْنَ﴾ عَالَمٌ (جہان) کی جمع ہے۔ ویسے تو تمام خلائق کے مجموعے کو عالم کہا جاتا ہے، اسی لیے اس کی جمع نہیں لائی جاتی۔ لیکن یہاں اس کی ربوبیت کاملہ کے اظہار کے لیے عالم کی بھی جمع لائی گئی ہے، جس سے مراد مخلوقات کی الگ الگ جنسیں ہیں، مثلاً: عالم جن، عالم انس، عالم ملائکہ اور عالم وحوش و طیور وغیرہ۔ ان تمام مخلوقات کی ضرورتیں ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہیں لیکن رَبُّ الْعَالَمِين سب کی ضروریات، ان کے احوال و ظروف اور طبائع و اجسام کے مطابق مہیا فرماتا ہے۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ②

بہت بخشش کرنے والا بڑا مہربان ○ [1]

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ③

بدلے کے دن (قیامت) کا مالک ہے ○ [2]

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ④

ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں ○ [3]

1 ﴿الرَّحْمٰنِ﴾ بروزن فَعْلَان اور ﴿الرَّحِيْمِ﴾ بروزن فَعِيلٌ ہے۔ دونوں صفت کے صیغے ہیں، جن میں مبالغہ موجود ہے، یعنی اُن میں کثرت اور دوام کا مفہوم پایا جاتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ بہت رحم کرنے والا ہے اور اس کی یہ صفت دیگر صفات کی طرح دائمی ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں: رحمٰن میں رحیم کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے، اسی لیے «يَا رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ» کہا جاتا ہے۔ دنیا میں اس کی رحمت عام ہے جس سے بلا تخصیص کافر و مومن سب فیض یاب ہو رہے ہیں اور آخرت میں وہ صرف رحیم ہو گا، یعنی اس کی رحمت صرف مومنین کے لیے خاص ہو گی۔ ﴿فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (الأعراف 7:156) ''میں وہ رحمت ان لوگوں کے لیے ضرور لکھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں، زکاۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔'' اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ!

2 دنیا میں بھی اگرچہ مکافات عمل کا سلسلہ ایک حد تک جاری رہتا ہے، تاہم اس کا مکمل ظہور آخرت میں ہو گا اور اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے اچھے یا برے اعمال کے مطابق مکمل جزا اور سزا دے گا۔ اسی طرح دنیا میں عارضی طور پر اور بھی کئی لوگوں کے پاس تحت الاسباب اختیارات ہوتے ہیں لیکن آخرت میں تمام اختیارات کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اس روز فرمائے گا: ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ ''آج کس کی بادشاہی ہے؟'' پھر وہی جواب دے گا: ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (المؤمن 40:16) ''صرف ایک غالب اللہ کے لیے۔'' ﴿يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ﴾ (الانفطار 82:19) ''اس دن کوئی ہستی کسی کے لیے اختیار نہیں رکھے گی، سارا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہو گا۔'' یہ ہو گا جزا کا دن۔

3 عبادت کے معنی ہیں کسی کی رضا کے لیے انتہائی تذلل و عاجزی اور کمال خشوع کا اظہار۔ اور بقول ابن کثیر ''شریعت میں کمال محبت، خضوع اور خوف کے مجموعے کا نام عبادت ہے۔'' یعنی جس ذات کے ساتھ محبت بھی ہو، اس کی مافوق الاسباب طاقت کے سامنے عاجزی و بے بسی کا اظہار بھی ہو اور اسباب و مافوق الاسباب ذرائع سے اس کی گرفت کا خوف بھی ہو۔ سیدھی عبارت نَعْبُدُكَ وَ نَسْتَعِينُكَ ''ہم تیری عبادت کرتے اور تجھ سے مدد چاہتے ہیں۔'' ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ نے یہاں مفعول بہ [ضمیر] کو فعل پر مقدم کر کے ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ فرمایا، جس سے مقصد اختصاص پیدا کرنا ہے، یعنی ''ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔'' اس اعتبار سے نہ عبادت اللہ کے سوا کسی اور کی جائز ہے اور نہ استعانت ہی کسی اور سے جائز ہے۔ ان الفاظ سے شرک کا سدباب کر

دیا گیا ہے لیکن جن کے دلوں میں شرک کا روگ راہ پا گیا ہے، وہ مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب استعانت میں فرق کو نظر انداز کر کے عوام کو مغالطے میں ڈال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو ہم بیمار ہو جاتے ہیں تو ڈاکٹر سے مدد حاصل کرتے ہیں، بیوی سے مدد چاہتے ہیں، ڈرائیور اور دیگر انسانوں سے مدد کے طالب ہوتے ہیں۔ اس طرح وہ یہ باور کراتے ہیں کہ اللہ کے سوا اوروں سے مدد مانگنا بھی جائز ہے۔ حالانکہ اسباب کے ماتحت ایک دوسرے سے مدد چاہنا اور مدد کرنا یہ شرک نہیں ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا نظام ہے، جس میں سارے کام ظاہری اسباب کے مطابق ہی ہوتے ہیں، حتیٰ کہ انبیاء بھی انسانوں کی مدد حاصل کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ (الصف 14:61) ”اللہ کے (دین کے) لیے کون میرا مددگار ہے؟“ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو فرمایا: ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ (المائدة 2:5) ”نیکی اور تقویٰ کے کاموں پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔“ ظاہر بات ہے کہ یہ تعاون ممنوع ہے نہ شرک مطلوب ومحمود ہے۔ اس کا اصطلاحی شرک سے کیا تعلق؟ شرک تو یہ ہے کہ ایسے شخص سے مدد طلب کی جائے جو ظاہری اسباب کے لحاظ سے مدد نہ کر سکتا ہو، جیسے کسی فوت شدہ شخص کو مدد کے لیے پکارنا، اس کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا، اس کو نافع وضار باور کرنا اور دور ونزدیک سے ہر ایک کی فریاد سننے کی صلاحیت سے بہرہ ور تسلیم کرنا۔ اس کا نام ہے مافوق الاسباب طریقے سے مدد طلب کرنا اور اسے خدائی صفات سے متصف ماننا۔ اسی کا نام شرک ہے جو بد قسمتی سے محبت اولیاء کے نام پر مسلمان ملکوں میں عام ہے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ !

توحید کی تین قسمیں: اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ توحید کی تین اہم قسمیں بھی مختصراً بیان کر دی جائیں۔ یہ قسمیں ہیں: ① توحید ربوبیت ② توحید الوہیت ③ توحید اسماء وصفات۔

① توحید ربوبیت کا مطلب ہے کہ اس کائنات کا خالق، مالک، رازق اور مدبر صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس توحید کو ملاحدہ وزنادقہ کے علاوہ تمام لوگ مانتے ہیں، حتیٰ کہ مشرکین بھی اس کے قائل رہے ہیں اور ہیں، جیسا کہ قرآن کریم نے مشرکین مکہ کا اعتراف نقل کیا ہے، مثلاً: فرمایا: ”اے پیغمبر! ان سے پوچھیں کہ تم کو آسمان وزمین میں رزق کون دیتا ہے، یا (تمھارے) کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے اور بے جان سے جاندار اور جاندار سے بے جان کون پیدا کرتا ہے اور دنیا کے کاموں کا انتظام کون کرتا ہے؟ جھٹ کہہ دیں گے کہ اللہ (یہ سب کام کرنے والا اللہ ہے)۔“ (یونس 31:10)
دوسرے مقام پر فرمایا: ”اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان وزمین کا خالق کون ہے؟ تو یقیناً یہی کہیں گے کہ اللہ۔“ (الزمر 38:39) ایک اور مقام پر فرمایا: ”اگر آپ ان سے پوچھیں کہ زمین اور زمین میں جو کچھ ہے، یہ سب کس کا مال ہے؟ ساتوں آسمان اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟ ہر چیز کی بادشاہی کس کے ہاتھ میں ہے؟ اور وہ سب کو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابل کوئی پناہ دینے والا نہیں۔ ان سب کے جواب میں یہ یہی کہیں گے کہ اللہ، یعنی یہ سارے کام اللہ ہی کے ہیں۔“ (المؤمنون 23:84-89) وَغَيْرُهَا مِنَ الْاٰيَاتِ .

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ⑤	ہمیں سیدھی (اور سچی) راہ دکھا[1] ○
صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ	ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا[2] ان کی نہیں جن

② توحید الوہیت کا مطلب ہے کہ عبادت کی تمام اقسام کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور عبادت ہر وہ کام ہے جو کسی مخصوص ہستی کی رضا، یا اس کی ناراضی کے خوف سے کیا جائے، اس لیے نماز، روزہ، حج اور زکاۃ صرف یہی عبادات نہیں ہیں بلکہ کسی مخصوص ہستی سے دعا والتجا کرنا، اس کے نام کی نذر ونیاز دینا، اس کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا، اس کا طواف کرنا، اس سے طمع اور خوف رکھنا وغیرہ بھی عبادات ہیں۔ توحید الوہیت یہ ہے کہ یہ تمام کام صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے کیے جائیں۔ (تاہم ظاہری اسباب کے مطابق زندہ انسانوں سے طبعی طمع یا طبعی خوف توحید کے منافی نہیں ہے) قبر پرستی کے مرض میں مبتلا عوام وخواص اس توحید الوہیت میں شرک کا ارتکاب کرتے ہیں اور مذکورہ عبادات کی بہت سی قسمیں وہ قبروں میں مدفون افراد اور فوت شدہ بزرگوں کے لیے بھی کرتے ہیں۔

③ توحید اسماء وصفات کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو اسماء وصفات قرآن وحدیث میں بیان ہوئی ہیں، ان کو بغیر کسی تاویل اور تحریف کے تسلیم کریں اور وہ صفات اس انداز میں کسی اور کے اندر نہ مانیں، مثلاً: جس طرح اس کی صفت علم غیب ہے، یا دور اور نزدیک سے ہر ایک کی فریاد سننے پر وہ قادر ہے، کائنات میں ہر طرح کا تصرف کرنے کا اسے اختیار حاصل ہے، یہ یا دیگر صفات الٰہیہ میں سے کوئی بھی صفت اللہ کے سوا کسی نبی، ولی یا کسی بھی شخص کے اندر تسلیم نہ کی جائے۔ اگر تسلیم کی جائے گی تو یہ شرک ہوگا۔
افسوس ہے کہ قبروں کے پجاریوں میں شرک کی یہ قسم بھی عام ہے اور انھوں نے اللہ کی مذکورہ صفات میں بہت سے بندوں کو بھی شریک کر رکھا ہے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ !

[1] ہدایت کے دو مفہوم ہیں۔ راستے کی طرف رہنمائی کرنا، راستہ بتا دینا اسے ارشاد ودلالت یا اراءت الطریق کہتے ہیں۔ دوسرا مفہوم راستے پر چلا دینا، منزل مقصود پر پہنچا دینا۔ اسے عربی میں توفیق اور ایصال الی المطلوب سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی ہماری صراط مستقیم کی طرف رہنمائی فرما، اس پر چلنے کی توفیق اور اس پر استقامت نصیب فرما تاکہ ہمیں تیری رضا حاصل ہو جائے۔ یہ صراط مستقیم محض عقل اور ذہانت سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ صراط مستقیم وہی ”اسلام“ ہے، جسے نبی ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش فرمایا اور اب قرآن واحادیث صحیحہ میں محفوظ ہے۔

[2] یہ صراط مستقیم کی وضاحت ہے کہ یہ سیدھا راستہ وہ ہے جس پر وہ لوگ چلے، جن پر تیرا انعام ہوا۔ یہ مُنْعَمٌ عَلَيْهِ گروہ ہے انبیاء، شہداء، صدیقین اور صالحین کا۔ جیسا کہ سورۂ نساء میں ہے: ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾ (النساء 69:4) ”اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں، وہ (قیامت کے روز) ان لوگوں کے

الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ⑦ | پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کی ○ [1]

ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے۔'' اس آیت میں یہ بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ انعام یافتہ لوگوں کا یہ راستہ اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول ﷺ ہی کا راستہ ہے، نہ کہ کوئی اور راستہ۔

1 بعض روایات سے ثابت ہے کہ ﴿الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ﴾ (جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا) سے مراد یہودی اور ﴿الضَّآلِّيْنَ﴾ (گمراہوں) سے مراد نصاریٰ (عیسائی) ہیں۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ مفسرین کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ «وَلَا أَعْلَمُ فِي هٰذَا الْحَرْفِ اخْتِلَافًا بَيْنَ الْمُفَسِّرِينَ فِي تَفْسِيرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ بِالْيَهُودِ وَ الضَّالِّينَ بِالنَّصَارٰى». (تفسير ابن أبي حاتم) اس لیے صراط مستقیم پر چلنے کی خواہش رکھنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ یہود اور نصاریٰ دونوں کی گمراہیوں سے بچ کر رہیں۔ یہود کی بڑی گمراہی یہ تھی کہ وہ جانتے بوجھتے صحیح راستے پر نہیں چلتے تھے، آیات الٰہی میں تحریف اور حیلہ کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے، حضرت عزیر کو انھوں نے ابن اللہ کہا اور وہ اپنے احبار و رہبان کو حرام و حلال کرنے کا مجاز سمجھتے تھے۔ نصاریٰ کی بڑی غلطی یہ تھی کہ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں غلو کیا اور انھیں ابنُ اللّٰهِ اور ثَالِثُ ثَلَاثَه (اللہ کا بیٹا اور تین خداؤں میں سے ایک) قرار دیا۔ افسوس ہے کہ امت محمدیہ میں بھی افراط و غلو کی یہ گمراہیاں عام ہیں اور اسی وجہ سے وہ دنیا میں ذلیل و رسوا ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے ضلالت کے گڑھے سے نکالے تاکہ ادبار و نکبت (پستی و بدحالی) کے بڑھتے ہوئے سائے سے وہ محفوظ رہ سکے۔

سورۂ فاتحہ کے آخر میں آمین کہنے کی نبی ﷺ نے بڑی تاکید اور فضیلت بیان فرمائی ہے، اس لیے امام اور مقتدی ہر ایک کو آمین کہنی چاہیے۔ نبی ﷺ (جہری نمازوں میں) اونچی آواز سے آمین کہا کرتے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی، حتیٰ کہ مسجد گونج اٹھتی۔ اس مسئلے کے لیے دیکھیے: (صحيح البخاري، حديث:780-782، وسنن ابن ماجه، حديث: 853، وسنن أبي داود، حديث: 934، ومصنف عبدالرزاق: 97/2) بنا بریں آمین اونچی آواز سے کہنا سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول بہ ہے۔ آمین کے معنی مختلف بیان کیے گئے ہیں۔ كَذٰلِكَ فَلْيَكُنْ ''اسی طرح ہو۔'' لَا تُخَيِّبْ رَجَاءَنَا ''ہمیں نامراد نہ کرنا۔'' اَللّٰهُمَّ اسْتَجِبْ لَنَا ''اے اللہ ہماری دعا قبول فرمالے۔''

آیاتها 286 (2) سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ (87) رکوعاتها 40

سورۂ بقرہ مدنی ہے، [1] اس میں 286 آیات اور 40 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓ ① ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ② | الٓمّٓ ○ [2] اس کتاب کے اللہ کی کتاب ہونے میں کوئی شک نہیں، [3] پرہیزگاروں کو راہ دکھانے والی ہے ○ [4]

1 اس سورت میں آگے چل کر گائے کا واقعہ بیان ہوا، اس لیے اسے سورۂ بقرہ (گائے کے واقعے والی سورت) کہا جاتا ہے۔ حدیث میں اس کی ایک خاص فضیلت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ جس گھر میں یہ پڑھی جائے، اس گھر سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ فرمایا: «لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ مَقَابِرَ، إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْفِرُ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِي تُقْرَأُ فِيهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ» (صحيح مسلم، حديث:212-(780)) نزول کے اعتبار سے یہ مدنی دور کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے، البتہ اس کی بعض آیات حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئیں۔ بعض علماء کے نزدیک اس میں ایک ہزار خبر، ایک ہزار احکام اور ایک ہزار منہیات ہیں۔ (ابن کثیر) منہیات کا مطلب، حرام اور ممنوع چیزیں۔

2 انھیں حروف مُقَطَّعَات کہا جاتا ہے، یعنی علیحدہ علیحدہ پڑھے جانے والے حروف۔ ان کے معنی کے بارے میں کوئی مستند روایت نہیں ہے، لہٰذا یہ متشابہات میں سے ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ. البتہ نبی ﷺ نے یہ ضرور فرمایا ہے کہ جس نے اللہ کی کتاب میں سے ایک حرف پڑھا اسے اس کے بدلے ایک نیکی ملے گی اور ایک نیکی کا اجر دس گنا ہے، میں نہیں کہتا کہ الٓمّٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے۔ (جامع الترمذي، حديث :2910.)

3 اس کے مُنَزَّل مِنَ اللّٰهِ ہونے میں کوئی شبہ نہیں جیسا کہ دوسرے مقام پر ہے: ﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (السجدة 2:32) بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ خبر بمعنی نَهْی ہے۔ أَيْ لَا تَرْتَابُوا فِيهِ (اس میں شک نہ کرو)۔ علاوہ ازیں اس میں جو واقعات بیان کیے گئے ہیں، ان کی صداقت میں، جو احکام و مسائل بیان کیے گئے ہیں، ان سے انسانیت کی فلاح و نجات وابستہ ہونے میں اور جو عقائد (توحید و رسالت اور معاد کے بارے میں) بیان کیے گئے ہیں، ان کے برحق ہونے میں کوئی شک نہیں۔

آنکھ والا تری قدرت کا تماشہ دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر، کیا دیکھے

4 ویسے تو یہ کتاب الٰہی تمام انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے نازل ہوئی ہے۔ لیکن اس چشمۂ فیض سے سیراب صرف وہی لوگ ہوں گے، جو آب حیات کے متلاشی اور خوف الٰہی سے سرشار ہوں گے۔ جس کے دل میں مرنے کے بعد اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر جواب دہی کا احساس اور اس کی فکر ہی نہیں، اس کے اندر ہدایت کی طلب، یا گمراہی سے بچنے کا جذبہ ہی نہیں ہوگا تو اسے ہدایت کہاں سے اور کیوں کر حاصل ہو سکتی ہے؟

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ﴿۳﴾

جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں [1] اور نماز کو قائم رکھتے ہیں [2] اور ہمارے دیے ہوئے مال میں سے خرچ کرتے ہیں [3] ○

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾

اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر جو آپ کی طرف اتارا گیا اور جو آپ سے پہلے اتارا گیا، [4] اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں ○

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾

یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں ○ [5]

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ

کافروں کو آپ کا ڈرانا، یا نہ ڈرانا برابر ہے، یہ لوگ

---

1 امورِ غَیبیّہ سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا ادراک عقل وحواس سے ممکن نہیں۔ جیسے ذات باری تعالیٰ، وحی الٰہی، جنت، دوزخ، ملائکہ، عذابِ قبر اور حشر اجساد وغیرہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ اور رسول ﷺ کی بتلائی ہوئی ماورائے عقل واحساس باتوں پر یقین رکھنا، جزو ایمان ہے اور ان کا انکار کفر وضلالت ہے۔

2 اقامت صلاۃ سے مراد پابندی سے اور سنت نبوی کے مطابق نماز کا اہتمام کرنا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے سورۂ عنکبوت 54:29 کا حاشیہ)

3 اِنْفَاق کا لفظ عام ہے، جو صدقات واجبہ اور نافلہ دونوں کو شامل ہے۔ اہلِ ایمان حسبِ استطاعت دونوں میں کوتاہی نہیں کرتے، ماں باپ اور اہل وعیال پر صحیح طریقے سے خرچ کرنا بھی اس میں داخل ہے اور باعث اجر وثواب ہے۔

4 پچھلی کتابوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ جو کتابیں انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئیں، وہ سب سچی ہیں، لیکن وہ اب اپنی اصل شکل میں دنیا میں پائی نہیں جاتیں، نیز اب ان پر عمل بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اب عمل صرف قرآن اور اس کی تشریح نبوی (حدیث) پر ہی کیا جائے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وحی ورسالت کا سلسلہ آنحضرت ﷺ پر ختم کر دیا گیا ہے، ورنہ آپ ﷺ کے بعد اگر وحی نازل ہونے والی ہوتی تو اس پر بھی ایمان لانے کا ذکر اللہ تعالیٰ ضرور فرماتا۔

5 یہ ان اہل ایمان کا انجام بیان کیا گیا ہے جو ایمان لانے کے بعد تقویٰ وعمل اور عقیدۂ صحیح کا اہتمام کرتے ہیں۔ محض زبان سے اظہار ایمان کو کافی نہیں سمجھتے۔ کامیابی سے مراد آخرت میں رضائے الٰہی اور اس کی رحمت ومغفرت کا حصول ہے۔ اس کے ساتھ دنیا میں بھی خوش حالی اور سعادت وکامرانی مل جائے تو سبحان اللہ، ورنہ اصل کامیابی آخرت ہی کی کامیابی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ دوسرے گروہ کا تذکرہ فرما رہا ہے جو صرف کافر ہی نہیں بلکہ اس کا کفر وعناد اس انتہا تک پہنچا ہوا ہے جس کے بعد اس سے خیر اور قبولِ اسلام کی توقع ہی نہیں۔

ءَاَنْذَرْتَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾

ایمان نہ لائیں گے ○ [1]

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۠ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۷﴾

اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر کر دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے ○ [2]

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ ایمان والے نہیں ہیں ○ [3]

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾

وہ اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکا دیتے ہیں، لیکن دراصل وہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں، مگر سمجھتے نہیں ○

---

1 نبی ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ سب مسلمان ہو جائیں اور اسی حساب سے آپ کوشش فرماتے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایمان ان کے نصیب ہی میں نہیں ہے۔ یہ وہ چند مخصوص لوگ ہیں جن کے دلوں پر مہر لگ چکی تھی (جیسے ابوجہل اور ابولہب وغیرہ) ورنہ آپ کی دعوت وتبلیغ سے بے شمار لوگ مسلمان ہوئے، حتیٰ کہ پورا جزیرۂ عرب اسلام کے سایۂ عاطفت میں آ گیا۔

2 یہ ان کے عدم ایمان کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ چونکہ کفر ومعصیت کے مسلسل ارتکاب کی وجہ سے ان کے دلوں سے قبول حق کی استعداد ختم ہو چکی ہے، ان کے کان حق بات سننے کے لیے آمادہ نہیں اور ان کی نگاہیں کائنات میں پھیلی ہوئی رب کی نشانیاں دیکھنے سے محروم ہیں تو اب وہ ایمان کس طرح لا سکتے ہیں؟ ایمان تو انھی لوگوں کے حصے میں آتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیتوں کا صحیح استعمال کرتے اور ان سے معرفت کردگار حاصل کرتے ہیں۔ اس کے برعکس لوگ تو اس حدیث کا مصداق ہیں جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ''مومن جب گناہ کر بیٹھتا ہے تو اس کے دل میں سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے، اگر وہ توبہ کر کے گناہ سے باز آ جاتا ہے تو اس کا دل پہلے کی طرح صاف شفاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ توبہ کی بجائے گناہ پر گناہ کرتا جاتا ہے تو وہ سیاہ نقطہ پھیل کر اس کے پورے دل پر چھا جاتا ہے۔'' نبی ﷺ نے فرمایا ''یہی وہ زنگ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے: ﴿كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ (المطففین 14:83) یعنی ''ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے۔'' (جامع الترمذي، حديث: 3334.) اسی کیفیت کو قرآن نے ''ختم'' (مہر لگانے) سے تعبیر فرمایا ہے، جو ان کی مسلسل بداعمالیوں کا منطقی نتیجہ ہے۔ اسی کو بعض جگہ ﴿بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ .....﴾ کے الفاظ میں ذکر کیا ہے (النسآء 155:4) ''اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر مہر لگا دی۔''

3 یہاں سے تیسرے گروہ منافقین کا تذکرہ شروع ہوتا ہے جن کے دل تو ایمان سے محروم تھے مگر وہ اہل ایمان کو فریب دینے کے لیے زبان سے ایمان کا اظہار کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ نہ اللہ کو دھوکہ دینے میں کامیاب

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ⑩

ان کے دلوں میں بیماری ہے اللہ نے انھیں بیماری میں مزید بڑھادیا [1] اور ان کے جھوٹ کی وجہ سے ان کے لیے دردناک عذاب ہے ○

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ⑪

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں ○

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ⑫

خبردار ہو جاؤ! یقیناً یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں، [2] لیکن انھیں شعور نہیں ○

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑬

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اور لوگوں (صحابہ کی طرح) تم بھی ایمان لاؤ تو جواب دیتے ہیں کہ کیا ہم ایسا ایمان لائیں جیسا بیوقوف لائے ہیں، [3] خبردار ہو جاؤ! یقیناً یہی بیوقوف ہیں، لیکن جانتے نہیں ○ [1]

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ⑭

اور جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان والے ہیں اور جب اپنے بڑوں کے پاس جاتے ہیں [2] تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمھارے ساتھ ہیں ہم تو ان سے صرف استہزا کرتے ہیں ○

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ⑮

اللہ بھی ان سے استہزا کرتا ہے [3] اور انھیں ان کی سرکشی اور بہکاوے میں اور بڑھا دیتا ہے ○

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ⑯

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے میں خرید لیا، پس نہ تو ان کی تجارت [4] نے ان کو فائدہ پہنچایا اور نہ یہ ہدایت والے ہوئے ○

---

1 ظاہر بات ہے کہ نفع عاجل (فوری فائدے) کے لیے نفع آجل (دیر سے ملنے والے فائدے) کو نظر انداز کر دینا اور آخرت کی پائیدار اور دائمی زندگی کے مقابلے میں دنیا کی فانی زندگی کو ترجیح دینا اور اللہ کی بجائے لوگوں سے ڈرنا پرلے درجے کی سفاہت ہے جس کا ارتکاب ان منافقین نے کیا۔ یوں ایک مسلمہ حقیقت سے بے علم رہے۔

2 شیاطین سے مراد سردارانِ قریش و یہود ہیں جن کے ایما پر وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے تھے، یا منافقین کے اپنے سردار۔

3 ''اللہ تعالیٰ بھی ان سے استہزا کرتا ہے۔'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ جس طرح مسلمانوں کے ساتھ استہزا و استخفاف کا معاملہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ بھی جس طرح اس کی شان کے لائق ہے، ان سے استہزا کرتا ہے۔ (تفسیر الطبري: 154/1) اور نتیجتاً انھیں ذلت و ادبار میں مبتلا کرتا ہے۔ جس کی ایک مثال اس کو استہزا سے تعبیر کرنا، زبان کا اسلوب ہے، ورنہ حقیقتاً یہ استہزا نہیں ہے، ان کے فعل استہزا کی سزا ہے۔ جیسے ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ (الشوریٰ 40:42) ''برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے۔'' میں برائی کے بدلے کو برائی کہا گیا ہے، حالانکہ وہ برائی نہیں ہے ایک جائز فعل ہے۔ اسی مرح ﴿يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ﴾، ﴿وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ﴾ وغیرہ آیات میں ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ بھی ان سے استہزا فرمائے گا۔ جیسا کہ سورۂ حدید کی آیت: ﴿يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ﴾ میں مذکور ہے۔

4 تجارت سے مراد ہدایت چھوڑ کر گمراہی اختیار کرنا ہے جو سراسر گھاٹے کا سودا ہے۔ منافقین نے نفاق کا جامہ پہن کر یہی گھاٹے والی تجارت کی۔ لیکن یہ گھاٹا آخرت کا گھاٹا ہے، ضروری نہیں کہ دنیا ہی میں انھیں اس گھاٹے کا علم ہو ہو سکتے ہیں، کیوں کہ وہ تو سب کچھ جانتا ہے اور نہ اہل ایمان کو مستقل فریب میں رکھ سکتے ہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے سے مسلمانوں کو ان کی فریب کاریوں سے آگاہ فرما دیتا تھا۔ یوں اس فریب کاری کا سارا نقصان خود انھی کو پہنچا کہ انھوں نے اپنی عاقبت برباد کر لی اور دنیا میں بھی رسوا ہوئے۔

1 بیماری سے مراد وہی کفر و نفاق کی بیماری ہے، جس کی اصلاح کی فکر نہ کی جائے تو بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ اسی طرح جھوٹ بولنا منافقین کی علامات میں سے ہے، جس سے اجتناب ضروری ہے۔

2 فساد، صلاح کی ضد ہے۔ کفر و معصیت سے زمین میں فساد پھیلتا ہے اور اطاعت الٰہی سے امن و سکون ملتا ہے۔ ہر دور کے منافقین کا کردار یہی رہا ہے کہ پھیلاتے وہ فساد ہیں، اشاعت وہ منکرات کی کرتے ہیں اور پامال حدود الٰہی کو کرتے ہیں اور سمجھتے یا دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ وہ اصلاح و ترقی کے لیے کوشاں ہیں۔

3 ان منافقین نے ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو ''بے وقوف'' کہا جنھوں نے اللہ کی راہ میں جان و مال کی کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کیا اور آج کے منافقین یہ باور کراتے ہیں کہ نعوذ باللہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دولت ایمان ہی سے محروم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جدید و قدیم دونوں منافقین کی تردید فرمائی۔ فرمایا: کسی اعلیٰ تر مقصد کے لیے دنیوی مفادات کو قربان کر دینا بے وقوفی نہیں، عین عقل مندی اور سعادت ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسی سعادت مندی کا ثبوت مہیا کیا ہے، اس لیے وہ پکے مومن ہی نہیں بلکہ ایمان کے لیے ایک معیار اور کسوٹی ہیں، اب ایمان انھی کا معتبر ہوگا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کی طرح ایمان لائیں گے۔ ﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ (البقرۃ 137:2) ''اگر لوگ اسی طرح ایمان لائے جس طرح تم ایمان لائے تو یقیناً وہ راہ یاب ہو گئے۔''